QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

ملکی سالمیت اور وحدتِ امت میں فرد کا کردار اور ذمہ داریاں

The Role and Responsibilities of the Individual in Ensuring National Integrity and Promoting Muslim Unity

1. Dr. Mahmood Ahmad (Corresponding Author)
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalnagar Campus, Pakistan.
Email: mahmoodahmad.ist@iub.edu.pk
ORCID: https://orcid.org/0009-0001-2314-0415
2. Dr. Maqsood Ahmad
Lecturer, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalnagar Campus, Pakistan.
Email: maqsoodpk40@gmail.com
ORCID: https://orcid.org/0009-0005-8635-7274

Abstract

The Muslim Ummah has always needed unity across the world, including Pakistan. However, the importance and urgency of this unity became particularly evident during periods when colonial powers and anti-Islamic forces repeatedly displayed prejudice, narrow-mindedness, and hostility toward Muslim interests. The international community has often been criticized for prioritizing its own strategic and political interests. On numerous occasions, issues concerning the Muslim Ummah have failed to receive an equitable response from major non-Muslim powers. Sociologists argue that individual attitudes and behaviors are reflections of broader societal attitudes and patterns. In this sense, the collective character of a society can be understood by examining the attitudes, behaviors, and moral dispositions of its individual members. The future of any society ultimately depends on the character of its individual members, for the collective character of society is formed through the cumulative attitudes, values, and actions of individuals. National integrity and Muslim unity, therefore, cannot be achieved solely through governmental institutions or collective declarations; they require responsible, conscious, and morally committed individuals. Against this backdrop, the present research article examines the significance of individual character and responsibilities in strengthening national integrity and promoting Muslim unity.

Keywords: *Role, Responsibilities, Individual, National integrity, Unity, Ummah.*

یہ اصول ازل سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اتحاد و وحدت رشد و ترقی اور کامیابی کی ضمانت ہیں۔ جب کہ اس کے مقابل زوال اور پستی کو باہمی اختلاف اور تفرقہ کا لازمی نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔ تاریخ میں جن قوموں نے بھی ترقی و عروج پایا اور اپنے نام کا سکہ چلایا، ان کی کامیابیوں کے پس پردہ راز اتحاد و وحدت کی قوت ہی تھی۔ اسلام کی تعلیمات و احکام خداوند قدوس کی حکمت و تدبیر کے عکاس ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید میں اس موضوع کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اتحاد کی طاقت اور تفرقہ کے نقصانات بیان کئے گئے ہیں۔ اسلام کے پیروکاران کو اتحاد کی تاکید کی گئی ہے اور تفرقہ سے بچنے کا کہا گیا ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمان خداوندی ہے:

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۤءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا" (1)

"اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو، اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی اور اس کی نعمت سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے"۔

مشہور مورخ ابن اسحاق فرماتے ہیں:

"اسلام لانے کے بعد اوس اور خزرج کے مابین ایک بار لڑائی چھڑ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے صلح کروائی اور مندرجہ بالا آیت مبارکہ تلاوت فرمائی"۔(2)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرد کے لیے ملی وحدت کی اہمیت وافادیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں(3)

ملکی سالمیت کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ پر ایمان اور صحت وتندرستی کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ملک میں امن وسکون ہے۔ جن ملکوں میں امن نہیں ہے وہاں کسی کی جان، مال، عزت کچھ بھی محفوظ نہیں اور امن انتشار کے ساتھ ممکن نہیں۔ جب تک ملکی سلامتی خطرات سے دوچار رہے تب تک اس ملک کا باشندے امن وسکون کی نعمت سے محروم رہتے ہیں۔ اس لیے ملکی سلامتی از حد ناگزیر ہے۔

سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ نے امن والی بستی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"وَضَرَبَ اللّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيها رِزْقُها رَغَداً مِنْ كُلِّ مَكانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّهِ فَأَذاقَهَا اللّهُ لِباسَ الْجوعِ وَالْخَوْفِ بِما كانُوا يَصْنَعُونَ"(4)

"اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی جو امن والی، اطمینان والی تھی، اس کے پاس اس کا رزق کھلا ہر جگہ سے آتا تھا، تو اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا، اس کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے"۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"هذا مثل أُريد به أهل مكة، فإنها كانت آمنة مطمئنة مستقرة يتخطف الناس من حولها، ومن دخلها كان آمنًا لا يخاف"(5)

---

(1) القرآن3: 103.

(2) الطبری، محمد بن جریر، *جامع البيان عن تأويل آي القرآن* (بيروت: دار الكتب العلمية، 1420ھ / 2000ء)، بذيل آيت آل عمران، 3: 103.
al-Ṭabarī, Muḥammad ibn Jarīr. *Jāmi' al-bayān 'an ta'wīl āy al-Qur'ān*. (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1420 AH / 2000 CE), Under verse Āl 'Imrān 3:103.

(3) اقبال، محمد، *کلیاتِ اقبال* (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1994ء)، 190۔
Iqbāl, Muḥammad. *Kulliyyāt-i Iqbāl*. (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1994), 190.

(4) القرآن16: 112.
Al-Qur'an 16:112.

(5) ابن كثير، اسماعيل بن عمر، *تفسير القرآن العظيم* (لاہور: مكتبة قدوسية، 1422ھ / 2002ء)، بذيل آيت: النحل، 16: 112.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

"اس مثال سے مراد اہل مکہ ہیں یہ شہر امن واطمینان میں تھا۔ اس کے آس پاس سے لوگوں کو اچک لیا جاتا تھا اور جو یہاں آجاتا، امن میں سمجھا جاتا اور اسے کوئی خوف نہ رہتا"۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ مزید صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومثَّل اللهُ مثَلًا لمكةَ التي سُكَّانُها أهلُ الشركِ باللهِ، هي القريةُ التى كانت آمنةً مطمئنةً، وكان أمْنُها أن العربَ كانت تَتَعادَى، ويَقْتُلُ بعضُها بعضًا، ويَسْبِي بعضُها بعضًا، وأهلُ مكةَ لا يُغَارُ عليهم، ولا يُحارَبون في بلدِهم، فذلك كان أمْنُها"[1].

"اللہ تعالی نے مکہ کے لیے یہ مثال بیان کی ہے جس کے رہنے والے اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے تھے۔ یہ ایسی بستی تھی جو امن والی اور پرسکون تھی اور اس کا امن یہ تھا کہ عرب ایک دوسرے پر چڑھائی کرتے رہتے تھے، ایک دوسرے کو قتل اور قید کرتے رہتے تھے لیکن مکہ والوں پر نہ تو کوئی حملہ ہوتا تھا اور نہ ہی ان کے شہر میں ان سے لڑائی کی جاتی تھی۔ یہی اس کا امن تھا"۔

اللہ تعالی کے اس فرمان سے اور ان دونوں مفسرین کی وضاحت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ملکی سالمیت اور ملک کا امن و امان اللہ تعالی کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

وحدتِ امت کی اہمیت:

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان سمیت دنیا بھر میں ملتِ اسلامیہ کو ایک ہونے کی ہمیشہ ہی ضرورت رہی ہے، مگر اس کی اہمیت اور افادیت اس وقت بہت زیادہ محسوس ہوئی، جب استعمار اور اسلام دشمن طاقتوں نے کئی ایک مواقع پر تعصب و تنگ نظری کو اپنایا اور اپنے مفادات کو ہر حالت میں ترجیح دی، بالخصوص اقوام متحدہ میں جب بھی کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوا، جس کا تعلق امتِ مسلمہ سے تھا تو غیر مسلم طاقتوں نے اسے رد کر دیا اور مسلمانوں کا کبھی بھی ساتھ نہیں دیا، اس کا اندازہ مسئلہ فلسطین اور کشمیر کے حوالے سے رکھے جانے والے متعصبانہ رویے سے لگایا جاسکتا ہے۔ ایٹمی طاقت ہونے کی وجہ سے پاکستان بھی ہمیشہ سے استعماری قوتوں کا خصوصی ٹارگٹ رہا ہے۔ جس کے نتائج ہمیں ماضی قریب میں دہشت گردی اور فرقہ وارانہ فسادات کی شکل میں بھگتنے پڑے ہیں۔ اس لیے پاکستان میں بطور خاص وحدتِ امت کے اس پیغام کو عملی طور پر پھیلانے اور راسخ کرنے کا کام اب واجب کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ ہماری انفرادی ذمہ داری ہے کہ کسی کو شر، فساد اور باہمی تفرقہ کا موقع نہ دیں۔ عالمی حالات وواقعات، امت مسلمہ کی صورتحال، تکفیری قوتوں کی یلغار اور استعماری سازشوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بات کا خیال رکھیں کہ ہمارے کسی عمل سے وحدتِ امت پر آنچ نہ آئے۔ یہ ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وحدت کو کسی بھی طرح قائم رکھنے کی پوری کوشش کرے۔ انفرادی طور پر سب سے پہلے اپنی ذات کی اصلاح ضروری ہے۔ کیونکہ ایک فرد سے جہان کی اصلاح ہوتی ہے۔ اصولاً ہم کسی دوسرے کو ایسی بات سے نہیں روک سکتے جس کے مرتکب ہم خود ہیں۔ لہٰذا اگر ہم

Ibn Kathīr, Ismāʿīl ibn ʿUmar. *Tafsīr al-Qur'ān al-ʿAẓīm*. (Lahore: Maktabah Quddūsiyyah, 1422 AH / 2002 CE), Under verse: al-Naḥl 16:112.

(1) الطبری، *جامع البیان عن تأویل آي القرآن*، 382/14.

al-Ṭabarī, *Jāmiʿ al-bayān ʿan ta'wīl āy al-Qur'ān*, 14/382.

کسی بھی قومی المیے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو اس کا آغاز ہمیں فرد خصوصا اپنے آپ سے کرنا ہو گا۔ بڑی بڑی تحریکیں جنہوں نے تاریخ کا رخ تبدیل کر دیا ان کا آغاز چند افراد نے ہی کیا تھا۔ جزیرۃ العرب کے جاہلی معاشرے میں رسول اللہ ﷺ اکیلے حق کی دعوت لے کر اٹھے اور پھر لوگ اس دعوت کا حصہ بنتے چلے گئے۔

سماجی ماہرین کا کہنا ہے کہ انفرادی رویے ہی معاشرتی رویوں کے عکاس ہوتے ہیں۔[1] آپ نے کسی سوسائٹی کا ڈی این اے اور تجزیہ کرنا ہو تو آپ اس سوسائٹی کے چند گنے چنے افراد کو ہی مشاہدہ کی چھلنی سے گزار لیں گے تو آپ کو اس معاشرے کی تمام اجتماعی بیماریوں کا علم ہو جائے گا۔ کسی بھی معاشرے کے مستقبل کا فیصلہ اس کے افراد کے انفرادی کردار پر منحصر ہوتا ہے۔ اور اسی کردار سے ہی معاشرے کا مجموعی کردار تشکیل پاتا ہے۔ اگر ہر فرد یہ سوچے کہ میں اکیلا کچھ نہیں کر سکتا اور اس طرح اپنے فرائض سے غفلت برتے تو سارا معاشرہ افتراق و انتشار کا شکار ہو جائے گا۔ آج امتِ مسلمہ افتراق و انتشار کے ایسے ہی بحران سے نبرد آزما ہے۔

وطن عزیز پاکستان کے اہل حل و عقد اس سے غافل نہیں۔ مختلف ادارے اور شخصیات اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اس بحران کے خلاف بند باندھنے میں مصروف عمل ہیں۔ جامعات اور تعلیمی ادارے بھی کانفرنسز، سیمینارز اور پروگرامز کے ذریعے مسلمانوں کو ان بحرانوں سے نکالنے اور وحدت کی لڑی میں پرونے کے لیے مقدور بھر کاوشوں میں مصروف ہیں۔ اگر ہم فرد کو اس حوالے سے اس کی ذمہ داریوں کا احساس کروانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اس کی روشنی میں ایک موثر حکمتِ عملی مرتب کی جا سکتی ہے۔ جس سے معاشرے کے مختلف طبقات کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے غلط رجحانات اور شکوک و شبہات کی بیخ کنی کے ذریعے فرقہ واریت اور تنگ نظری جیسے منفی رجحانات کو روکا جا سکتا ہے اور وحدتِ امت کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔

عصر حاضر میں وحدتِ امت کی ناگزیریت:

جدید دور میں معاشرہ اور ریاست، دونوں ہی ایک فرد کی ضرورت بن چکے ہیں۔ معاشرہ اس لیے کہ یہ ادارہ فطری ضرورت ہے۔ دوسری طرف ریاست نے ارتقائی عمل کے نتیجے میں خود کو ناگزیر ثابت کر دیا ہے۔ آج اصل مسئلہ ان دونوں کے ساتھ فرد کی فکری و عملی یگانگت ہے۔ جہاں فکر اور عمل کی سطح پر یہ وحدت قائم ہے، وہاں اضطراب نہیں اور یہ دونوں ادارے فرد کے شخصی ارتقا میں معاون ہیں۔ جہاں ان اداروں کے مابین اختلاف اور تضاد ہے، وہاں فرد کی شخصیت داخلی انتشار کا شکار ہے، جو سیاسی و سماجی پراگندگی کا باعث ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ فکری و عملی وحدت کیسے ممکن ہے؟ اس کی ایک ہی صورت ممکن ہے کہ معاشرے کے نظامِ اقدار کو محور مان کر ریاست کا نظام ترتیب دیا جائے اور ریاست کو یہ ذمہ داری سونپی جائے کہ وہ فرد کے فکری و عملی ارتقا کے لیے ساز گار ماحول فراہم کرے۔ مثال کے طور پر یورپ کے اکثر ممالک میں ایک نظامِ اقدار پر اتفاق پایا جاتا ہے جس میں فرد کی آزادی، سرمایہ دارانہ معیشت اور سیکولرازم کو بنیادی اقدار کے طور پر قبول کر لیا گیا ہے۔ اب وہاں ریاست پابند ہے کہ ان اقدار کو مان کر سیاسی حکمتِ عملی ترتیب دے۔ اگر فرد کی آزادی ایک معاشرتی قدر ہے تو پھر لازم ہے کہ سیاسی نظام جمہوری ہو۔

(1) Sapir, Edward, “The Unconscious Patterning of Behavior in Society,” in *Selected Writings of Edward Sapir in Language, Culture and Personality*, ed. David G. Mandelbaum (Berkeley: University of California Press, 1949), 544–559.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

اگر یہ مقدمہ درست ہے تو پھر یہ لازم نہیں کہ دنیا کے ہر ملک کا سیاسی نظم ایک ہو۔ اگر دنیا میں عالمگیر نظامِ اقدار وجود میں آگیا ہے تو پھر یہ ممکن ہے کہ تمام ممالک ایک طرح کے سیاسی نظام کے حامل ہوں۔ دنیا اس وقت ایک عالمگیر نظامِ اقدار کی طرف بڑھ رہی ہے۔ جب تک یہ عمل مکمل نہیں ہوتا، فرد، ریاست اور معاشرے کے مابین ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے کہ ہر ملک ایک ایسا سیاسی نظام اختیار کرے جو اس معاشرے کے نظامِ اقدار سے ہم آہنگ ہو اور دونوں مل کر فرد کے فکری اور عملی ارتقا کو یقینی بنائیں۔

یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اصل اہمیت فرد کی ہے۔ معاشرہ اور ریاست اس لیے ہوتے ہیں کہ اس کے حقوق محفوظ رہیں۔ فرد بھی معاشرے اور ریاست کے ساتھ اسی وقت تعلقِ خاطر قائم کرتا ہے جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ ان کا وجود اس کی بقا کی ضمانت ہے۔ اسی وجہ سے ہر ریاست عوام کے حقوق اور ضروریات کی تکمیل کو اپنی اوّلیں ذمہ داری سمجھتی ہے۔ اس کے لیے ادارے بناتی ہے اور انہیں عوامی خدمت کا فریضہ سونپ دیتی ہے۔

ملکی سالمیت اور وحدتِ امت میں فرد کا کردار:

یہاں یہ سوال اہم ہے کہ ایک فرد ملکی سالمیت اور وحدتِ امت کے لیے کیا کردار ادا کر سکتا ہے؟ ذیل میں ہم اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں:

1. **ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ:** اکثر افراد یہ سوچتے ہیں کہ میں اکیلا کچھ نہیں کر سکتا اگر یہی سوچتے ہوئے ہر فرد اپنے فرائض سے غفلت برتے تو معاشرے میں امن و سکون ممکن نہیں ہے۔ بلکہ معاشرہ بے سکونی کا شکار ہو جائے گا۔ معاشرے کے حال اور مستقبل کا فیصلہ افراد کا انفرادی کردار ہی کرتا ہے اور فرد کے کردار سے ہی معاشرے کا مجموعی کردار تشکیل پاتا ہے۔ اگر کسی معاشرے کے افراد صاحب علم و عمل ہیں اور بااخلاق اور باکردار ہیں اور قرآن و سنت کی دعاؤں کا اہتمام کرنے والے، نمازی، اپنے گھر بار کا خیال رکھنے والے، امت مسلمہ کا درد اور احساس رکھنے والے، پاکباز اور پاکدامن، محنتی، جفاکش، دوراندیش، انصاف پسند اور اخلاق کے تمام پہلوؤں کے صحیح آئینہ دار ہوں گے تو قوم کا سر فخر سے بلند ہو گا اور دشمنوں کی صفوں میں اس قوم کے افراد کی دھاک بیٹھ جائے گی اور ایسی قوم اپنی تقدیر اپنے ہاتھوں سے خود رقم کرتی ہے لیکن اگر کسی معاشرے کے افراد جاہل، بداخلاق، بدزبان اور عزت و احترام اور ایمان و عمل سے خالی ہیں تو اس قوم کا مستقبل تاریک ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

2. **فرد کی اصلاح ملکی سالمیت اور وحدتِ امت کا ذریعہ:** آج بھی اگر ہم اپنی ذات، نوجوان نسل، اپنے گھر، مسجد، محلہ، خاندان اور اپنے متعلقہ اداروں میں انفرادی طور پر توجہ دیں تو ملک و قوم کو آج بھی اوجِ ثریا تک پہنچایا جا سکتا ہے اور ہم ایک زندہ و جاوید قوم کی حیثیت اختیار کر سکتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ہمیں اندرونی اور بیرونی کسی بھی اعتبار سے کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہو گا کیونکہ فرد کی اصلاح ہی دراصل ملکی سالمیت اور وحدتِ امت کا ذریعہ ہے۔ انفرادی طور پر سب سے پہلے ایک فرد کی ذات کی اصلاح ضروری ہے۔ ہم کسی بھی ایسی برائی کو نہیں روک سکتے جس کے ہم خود مرتکب ہوں۔ لہٰذا ملکی سالمیت اور امت کی وحدت کے لیے اگر آپ واقعی کوئی کردار ادا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ابتداء فرد سے کریں۔ سب سے پہلے فرد کی چھوٹی چھوٹی خامیوں اور برائیوں پر قابو پائیں اور پھر دوسروں کو بھی ان سے اجتناب کرنے کی تلقین کریں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ جن برائیوں سے ہم دوسروں کو روک رہے ہیں اگر وہی برائیاں ہماری ذات میں پائی جا رہی ہیں تو ہماری تعلیم

اور تلقین بے اثر ہو جائے گی۔ اس لیے ملکی سالمیت اور وحدت کے حوالے سے کسی بھی بات کا حکم دینے سے پہلے یا کسی برائی سے روکنے سے پہلے اپنی ذات کا محاسبہ بہت ضروری ہے۔

انسانی کامیابی اور تربیت کا سب سے پہلا میدان خود فرد کی اپنی ذات ہے۔ ہر فرد دوسروں کی مکمل تربیت اور اصلاح کرنا چاہتا ہے لیکن کوئی بھی خود کو بدلنے کے لیے تیار نہیں۔ انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ہاں بہت زیادہ تعلیم یافتہ افراد کی حالت بھی یہی ہے۔ ہماری ذات میں اتنی زیادہ خرابیاں ہوتی ہیں کہ جنہیں دیکھ کر ایک عام آدمی پریشان ہو جاتا ہے۔ مثلا ہم بے پناہ ڈگریاں حاصل کرنے کے باوجود اپنی زندگی میں سچ بولنا ، امانتداری اختیار کرنا اور وعدے کی پابندی کرنا نہیں سیکھ پاتے۔ ایک استاد اپنی زندگی میں یہ نہیں سیکھ پاتا کہ بچوں کے حوالے سے اس پر کئی اخلاقی اور قانونی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان ذمہ داریوں کو اس نے کیسے ادا کرنا ہے۔

انسان کے قول اور عمل میں تضاد ہونا ایک بہت بڑی کمزوری ہے، اگر آپ ملکی سلامتی اور وحدتِ امت کے لیے کوئی کردار ادا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو سب سے پہلے خود کو ملکی محافظ کے سانچے میں ڈھالنا ہو گا کیونکہ جب تک ایک فرد اپنی اصلاح اور تربیت نہیں کرے گا تب تک وہ دوسروں کی اصلاح میں موثر کردار ادا نہیں کر سکتا اور جب تک آپ کے قول کے ساتھ آپ کا عمل شامل نہیں ہے تب تک آپ کسی دوسرے کی اصلاح نہیں کر سکتے۔

فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ عملی نمونہ پیش کرے۔ اگر فرد کے اپنے قول وفعل میں تضاد ہو گا تو اس کی بات کبھی بھی موثر اور کارگر نہیں ہو سکتی۔ لہذا اگر آپ اپنی بات منوانا چاہتے ہیں اور معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی دعوت کے ساتھ ساتھ عملی نمونہ بھی پیش کرنا ہو گا۔ تاکہ آپ کے قول وفعل کی یکسانیت کو دیکھ کر آپ کا مخاطب آپ کی بات کو اہمیت دے اور اسے قبول کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ" (1)

"کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، تو کیا تم نہیں سمجھتے؟"

سید قطب شہید اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ایک داعی صحیح اسی وقت ہی ہو سکتا ہے، جب وہ اپنے کردار کے اعتبار سے اس بات کی تفسیر اور ترجمہ ہو، جو دعوت وہ دے رہا ہے، وہ خود اس کی زندگی کی صورت میں عملاً مجسم ہو۔ (2)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲﴾ کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰہِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ﴿۳﴾" (3)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک ناراض ہونے کے اعتبار سے بڑی بات ہے کہ تم وہ کہو جو تم نہیں کرتے۔"

---

(1) القرآن: 2: 44.

Al-Qur'an 2:44.

(2) سید قطب، *في ظلال القرآن* (قاہرہ: دار الشروق، 1412ھ / 1992ء)، بذیل آیت البقرۃ: 2: 44.

Sayyid Quṭb. *Fī Ẓilāl al-Qur'ān*. (Cairo: Dār al-Shurūq, 1412 AH / 1992 CE), Under verse al-Baqarah 2:44.

(3) القرآن: 61: 2-3.

Al-Qur'an 61:2-3.

مولانا مودودی اس آیت مبارکہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ ایک سچے مسلمان کے قول اور عمل میں مطابقت ہونی چاہیے۔ جو کچھ کہے اسے کر کے دکھائے، اور کرنے کی نیت یا ہمت نہ ہو تو زبان سے بھی نہ نکالے۔ کہنا کچھ اور کرنا کچھ، یہ انسان کی ان بدترین صفات میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہایت مبغوض ہیں۔(1)

رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے جہنمی کا ذکر فرمایا جس کا پیٹ پھٹ کر آنتیں باہر نکل آئیں گی اور وہ چکی کے گدھے کی طرح ان کے گرد چکر کاٹے گا۔ اہل دوزخ دریافت کریں گے کہ تم تو ہمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ تمہاری یہ حالت کیوں ہے تو وہ جواب دے گا:

" كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَلاَ آتِيهِ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ" (2)

"میں تمہیں تو اچھے کاموں کا حکم دیتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا اور تمہیں برے کاموں سے منع کرتا تھا، لیکن خود کرتا تھا۔"

جہاں ہمیں ایک فرد کی اصلاح کے لیے آپ ﷺ کا عملی نمونہ نظر آتا ہے وہیں آپ کی ہمیں وہ کوششیں بھی نظر آتی ہیں جو آپ نے معاشرے کے فرد کو سدھارنے کے لیے کی ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ آپ سے بہت سی ایسی دعائیں منقول ہے جن میں آپ نے فرد کی اصلاح کے لیے اللہ رب العزت سے دعا کرنے کی تلقین کی ہے اور خود بھی ایسی بہت سی دعائیں کرتے تھے جن کا مقصد فرد کی اصلاح ہے تاکہ وہ فرد ملکی سالمیت اور وحدتِ امت میں ایک موثر کردار ادا کر سکیں۔

ملکی سالمیت اور وحدتِ امت میں فرد کی ذمہ داریاں:

اسلام نے ملکی سالمیت اور وحدتِ امت میں فرد کے کردار اور ذمہ داریوں کو اچھی طرح واضح کیا ہے۔ اس حوالے سے فرد کی ذمہ داریوں پر بحث کرتے ہوئے قرآن مجید میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا " (3)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ"۔

یعنی فرد کی نہ صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو مہلک خطرات سے بچائے بلکہ اپنے اہل وعیال کو ان خطرات سے محفوظ رکھنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ عبدالرحمٰن سعدی اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچانے کو ایمان کے لوازمات اور شرائط میں سے قرار دیتے ہیں۔(4)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

(1) مودودی، ابوالاعلی، *تفہیم القرآن* (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 1995ء)، بذیل آیت سورہ الصف: 61:2-3۔

(2) البخاری، محمد بن اسماعیل، *الجامع الصحیح* (الریاض: دار السلام، 1419ھ / 1999ء)، كِتَابُ بَدْءِ الخَلْقِ، بَابُ صِفَةِ النَّارِ، وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ، حدیث نمبر: 3267.

al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismā'īl. *al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ*. (Riyadh: Dār al-Salām, 1419 AH / 1999 CE) Kitāb Bad' al-Khalq, Bāb Ṣifat al-Nār wa Annahā Makhlūqah, Ḥadīth no. 3267.

(3) االقرآن66: 6.

Al-Qur'an 66:6.

(4) سعدی، عبدالرحمٰن، *تیسیر الکریم الرحمٰن* (الریاض: دار السلام، 1422ھ / 2001ء)، بذیل آیت، التحریم، 66: 6.

Sa'dī, 'Abd al-Raḥmān. *Taysīr al-Karīm al-Raḥmān*. (Riyadh: Dār al-Salām, 1422 AH / 2001 CE), Under verse, al-Taḥrīm 66:6.

"سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ قَالَ وَحَسِبْتُ أَنْ قَدْ قَالَ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي مَالِ أَبِيهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"[1]

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال ہو گا۔ امام نگران ہے اور اس سے سوال اس کی رعایا کے بارے میں ہو گا۔ انسان اپنے گھر کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ انسان اپنے باپ کے مال کا نگران ہے اور اس کی رعیت کے بارے میں اس سے سوال ہو گا اور تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور سب سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا"۔

اس حدیث اور متعدد دوسرے مقامات پر رسول اللہ ﷺ نے ملکی سالمیت اور وحدتِ امت میں فرد کے کردار اور مختلف حیثیتوں میں اس کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں فرد کی چند اہم ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں:

1. احساس ذمہ داری:

ملکی سالمیت اور اور وحدتِ امت میں مؤثر کردار ادا کرنے کے لیے ایک فرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرے۔ اپنی ذات کی ذمہ داریوں کا احساس انسان میں عمل کی تحریک پیدا کرتا ہے۔ جب ایک فرد میں یہ احساس ہو گا کہ اس نے ملک کی سالمیت اور وحدتِ امت کے لیے ایک موثر کردار ادا کرنا ہے تو وہ اس کے لیے اپنی سی کوشش بھی کرتا رہے گا۔

احساس ذمہ داری کے بارے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر فرات کے کنارے ایک جانور بھی بے یار و مددگار ہلاک ہو جائے تو انہیں اندیشہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں ان سے سوال کرے گا۔[2] اگرچہ اس اثر کی منفرد اسانید میں کلام ہے، تاہم متعدد طرق کی بنا پر اس کے مفہوم کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

2. مثبت اور بلند سوچ:

ایک فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی سوچ کو مثبت اور بلند رکھے۔ جب تک فرد کی سوچ مثبت اور بلند نہیں ہو گی تب تک وحدتِ امت اور ملکی سالمیت کی ذمہ داری کماحقہ وہ ادا نہیں کر سکتا۔ منفی سوچ رکھنے والا فرد اپنے لیے اور دوسروں کے لیے وبال جان ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

(1) البخاری، *الجامع الصحیح*، کتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، حدیث نمبر: 893.

al-Bukhārī, *al-Jāmi‘ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Jum‘ah, Bāb al-Jum‘ah fī al-Qurā wa al-Mudun, Ḥadīth no. 893.

(2) ابن أبي شيبة، *المصنف*، تحقيق محمد عوامة (اشبيليه: دار كوز / بيروت: دار القبلة، 1427ھ / 2006ء)، حديث 34486.

Ibn Abī Shaybah. *al-Muṣannaf*. Edited by Muḥammad ‘Awwāmah. (Seville: Dār Kūz / Beirut: Dār al-Qiblah, 1427 AH / 2006 CE) Ḥadīth 34486.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue **No:** 01 (2026)

"وَلَا تَہِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَ أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔"[1]

"اور کمزور نہ پڑو اور غم نہ کرو، اگر تم مؤمن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"احْرِصْ عَلَىٰ مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَلَا تَعْجَزْ"[2] جو چیز تمہیں نفع دے اس کے حصول کے لیے کوشش کرو، اللہ سے مدد مانگو اور عاجز نہ بنو۔"

3. اختلاف کو برداشت کرنے کی قوت:

ملکی سالمیت اور وحدتِ امت کے لیے ایک فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اندر اختلاف کو برداشت کرنے کی قوت پیدا کرے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ہمارا اختلاف ہو اس کو ہم اپنا دشمن قرار دے دیں۔ اور یہ ممکن ہے کہ ہم اختلاف بھی کریں اور آپس میں دوست بھی رہیں۔ اسلام انسانوں کے فکری، معاشرتی اور قبائلی تنوع کو تسلیم کرتا ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

"وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ"[3]

"اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا، مگر وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، سوائے ان لوگوں کے جن پر آپ کا رب رحم فرمائے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی معاشرے میں اختلاف ایک فطری حقیقت ہے۔ لہٰذا قومی وحدت کا مطلب یہ نہیں کہ تمام افراد ایک ہی سیاسی، فکری یا سماجی رائے کے حامل ہوں؛ بلکہ اصل ضرورت یہ ہے کہ اختلاف دشمنی، نفرت اور تشدد میں تبدیل نہ ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: "میں نے کبھی کسی سے مناظرہ نہیں کیا مگر میری خواہش یہی رہی کہ حق اسی کی زبان سے ظاہر ہو"[4]۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "رفع الملام عن الأئمة الأعلام" میں ائمہ مجتہدین کے اختلافات کے اسباب بیان کیے اور اس بات کی وضاحت کی کہ کسی معتبر

---

(1) القرآن 3:139.

Al-Qur'an 3:139.

(2) القشيري، مسلم بن حجاج، *صحيح مسلم* (الرياض: دار السلام، 1421ھ / 2000ء)، كتاب القدر، باب في الأمر بالقوة وترك العجز والاستعانة بالله وتفويض المقادير لله، حديث 2664.

Al-Qushayrī, Muslim ibn al-Ḥajjāj. *Ṣaḥīḥ Muslim*. (Riyadh: Dār al-Salām, 1421 AH / 2000 CE), Kitāb al-Qadar, Bāb fī al-Amr bi al-Quwwah wa Tark al-ʻAjz..., Ḥadīth 2664.

(3) القرآن 11:118،119.

Al-Qur'an 11:118-119.

(4) البيهقي، أحمد بن الحسين، *مناقب الشافعي*، تحقيق السيد أحمد صقر (قاهرة: مكتبة دار التراث، 1970ء)2/ 182.

al-Bayhaqī, Aḥmad ibn al-Ḥusayn. *Manāqib al-Shāfiʻī*. Edited by al-Sayyid Aḥmad Ṣaqr. (Cairo: Maktabah Dār al-Turāth, 1970), 2/182.

امام کے اجتہادی اختلاف کو محض بدنیتی یا دین سے انحراف پر محمول نہیں کرنا چاہیے۔[1] علامہ یوسف قرضاوی نے اختلافِ مشروع اور مذموم کے درمیان بنیادی فرق واضح کیا ہے، جو قومی اور مذہبی اختلاف کو سمجھنے میں بہت مفید ہے۔[2]

4. جان قربان کرنے کا جذبہ:

فرد کی ذمہ داری ہے کہ ملکی سالمیت اور وحدتِ امت کے لیے کہیں اگر اپنی جان کی بازی لگانا پڑے تو بھی اس سے دریغ نہ کرے۔ جنگِ یمامہ کے موقع پر حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک ڈھال پر بٹھا کر مسلمانوں نے اپنے نیزوں کے ذریعے فصیل کے اوپر بلند کیا اور انہیں قلعہ نما احاطے کے اندر پھینک دیا، جہاں انہوں نے دشمن کے متعدد افراد کو قتل کر کے مسلمانوں کے لیے دروازہ کھولنے کی راہ ہموار کی۔[3]

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ غزوہ احزاب کی شدید سرد اور خوف والی رات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فقال: "من رجل يأتينا بخبر القوم، جعله الله معي يوم القيامة؟"... ثم قال: "قم يا حذيفة فأتنا بخبر القوم، ولا تذعرهم علي".[4]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کون ہے جو مجھے دشمن کی خبر لا کر دے؟ اللہ اسے قیامت کے دن میرا ساتھی بنائے گا"۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے نام لے کر بھیجا اور فرمایا: "جا کر دشمن کی خبر لاؤ، لیکن کوئی ایسی کارروائی نہ کرنا جس سے وہ تمہارے بارے میں متنبہ ہو جائیں"۔ چنانچہ میں گیا، دشمن کی تمام صورتِ حال دیکھی اور واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی۔ یہ واقعہ حکمت، اطاعتِ رسول ﷺ، جرات اور جان کی بازی لگانے کی بہترین مثالوں میں شمار ہوتا ہے۔

5. فرد کا ضروری علم حاصل کرنا

---

(1) ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم، *رفع الملام عن الأئمة الأعلام* (الرياض: الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء، 1993ء).

Ibn Taymiyyah, Aḥmad ibn ‘Abd al-Ḥalīm. *Raf‘ al-Malām ‘an al-A'immah al-A‘lām*. (Riyadh: Al-Ri'āsah al-‘Āmmah li-Idārāt al-Buḥūth al-‘Ilmiyyah wa al-Iftā', 1993).

(2) القرضاوي، يوسف، *الصحوة الإسلامية بين الاختلاف المشروع والتفرق المذموم* (قاهرة: دار الصحوة للنشر والتوزيع، 1991ء).

al-Qaraḍāwī, Yūsuf. *al-Ṣahwah al-Islāmiyyah bayn al-Ikhtilāf al-Mashrū‘ wa al-Tafarruq al-Madhmūm*. (Cairo: Dār al-Ṣahwah lil-Nashr wa al-Tawzī‘, 1991).

(3) البیہقی، احمد بن حسین، *السنن الکبریٰ*، تحقیق محمد عبدالقادر عطا (بیروت: دار الکتب العلمیة، 2003ء)، 44/9، حدیث 17700؛ ابن عبد البر، یوسف بن عبد الله، *الاستیعاب فی معرفة الاصحاب*، تحقیق علی محمد البجاوی (بیروت: دار الجیل، 1992ء)، 1/ 138؛ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، *الإصابة فی تمییز الصحابة*، تحقیق عادل احمد عبد الموجود و علی محمد معوض (بیروت: دار الکتب العلمیة، 1995ء)، 1/ 143.

al-Bayhaqī, Aḥmad ibn al-Ḥusayn. *al-Sunan al-Kubrā*. Edited by Muḥammad ‘Abd al-Qādir ‘Aṭā. (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyyah, 2003), 9/44, ḥadīth 17700; Ibn ‘Abd al-Barr, Yūsuf ibn ‘Abd Allāh. *al-Istī‘āb fī Ma‘rifat al-Aṣḥāb*. Edited by ‘Alī Muḥammad al-Bijāwī. (Beirut: Dār al-Jīl, 1992), 1/138; Ibn Ḥajar al-‘Asqalānī, Aḥmad ibn ‘Alī. *al-Iṣābah fī Tamyīz al-Aṣḥāb*. Edited by ‘Ādil Aḥmad ‘Abd al-Mawjūd and ‘Alī Muḥammad Mu‘awwaḍ. (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyyah, 1995), 1/143.

(4) القشيري، صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة الأحزاب، تحقيق محمد فؤاد عبد الباقي (بيروت: دار إحياء التراث العربي، 1955ء)، حديث رقم 1788.

Al-Qushayrī, *Ṣaḥīḥ Muslim*, Kitāb al-Jihād wa al-Siyar, Bāb Ghazwat al-Aḥzāb. Edited by Muḥammad Fu'ād ‘Abd al-Bāqī. (Beirut: Dār Iḥyā' al-Turāth al-‘Arabī, 1955), ḥadīth no. 1788.

فرد کو ملکی سلامتی، قومی وحدت اور وحدتِ امت سے متعلق ان امور کا ضروری علم حاصل کرنا چاہیے جن کے بغیر اس کے قول و عمل کے درست ہونے کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ محض نیک نیتی کافی نہیں۔ اگر کسی شخص میں اصلاح کا جذبہ تو ہو لیکن متعلقہ مسئلے کا صحیح علم نہ ہو تو اس کی کوشش اصلاح کے بجائے فساد کا سبب بن سکتی ہے۔

قرآن مجید واضح طور پر بیان فرماتا ہے:

"فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ"[1]

"اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھ لیا کرو۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس معاملے کا علم نہ ہو، اس میں اپنی رائے یا اقدام سے پہلے اہلِ علم و تخصص کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ملکی سلامتی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، قومی وحدت، آئینی امور اور دینی معاملات میں یہ اصول بالخصوص اہم ہے۔ اسی اصول کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں مستقل باب قائم کر کے واضح کیا ہے:

"بَابُ العِلْمِ قَبْلَ القَوْلِ وَالعَمَلِ"

یعنی قول اور عمل سے پہلے علم ضروری ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے آغاز میں قرآن مجید کی آیت "فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ" [2] پیش کی اور واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فَاعْلَمْ کے ذریعے علم کو قول و عمل سے پہلے ذکر فرمایا ہے۔

فرد کو ملکی سلامتی، قومی وحدت اور وحدتِ امت کو نقصان پہنچانے والے عوامل اور ان کے اسباب و نواقض کا بھی ضروری علم حاصل کرنا چاہیے، تاکہ وہ لاعلمی یا غلط فہمی کی بنا پر ایسے قول یا عمل کا ارتکاب نہ کرے جو اجتماعی انتشار، باہمی نفرت یا قومی سلامتی کے لیے نقصان دہ ہو۔

اس کی تائید قرآن مجید کے اس سنہری اصول سے بھی ہوتی ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ"

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو، پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔"[3]

یہ آیت کریمہ ملکی سالمیت اور وحدتِ امت کے تناظر میں نہایت اہم ہے، خصوصاً آج کے سوشل میڈیا کے دور میں، کیونکہ غیر مصدقہ معلومات کی بنیاد پر کیا جانے والا ردعمل قومی انتشار کا سبب بن سکتا ہے۔

6. فرد کا اس آگہی کو عام کرنا

---

(1) القرآن 16:43.

Al-Qur'an 43:16.

(2) القرآن 47:19.

Al-Qur'an 19:47.

(3) القرآن 49:6.

Al-Qur'an 6:49.

فرد کی ذمہ داری صرف یہ نہیں کہ وہ خود ملکی سلامتی اور وحدتِ امت سے متعلق ضروری امور کا علم حاصل کرے، بلکہ اسے یہ آگہی اور شعور دوسروں تک منتقل کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہیے۔ قرآن مجید نے دعوت وابلاغ کے لیے حکمت اور حسنِ موعظت کو بنیادی اصول قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ"(1)

"اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیں اور ان سے بہترین طریقے سے بحث کریں"۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و آگہی کی ترسیل محض معلومات منتقل کرنے کا نام نہیں بلکہ حکمت، حسنِ اسلوب اور مناسب طریقۂ ابلاغ کا تقاضا کرتی ہے۔ بالخصوص ملکی سلامتی اور وحدتِ امت جیسے حساس موضوعات میں فرد کو غیر مصدقہ معلومات اور تعصبات پھیلانے کے بجائے مستند علم، اعتدال اور خیر خواہی کو فروغ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے علم و آگہی کو پھیلانے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً"(2)

"میری طرف سے پہنچاؤ، خواہ ایک آیت ہی ہو"۔

یہ حدیث رہنمائی کرتی ہے کہ جو بات انسان درست طور پر جانتا ہو اسے دوسروں تک پہنچانا خیر کے فروغ کا ذریعہ ہے۔ تاہم دین کی نسبت سے کوئی ایسی بات بیان نہیں کرنی چاہیے جس کے ماخذ کی صحت پر اطمینان نہ ہو۔ اس لیے فرد کو چاہیے کہ وہ علمی مجالس، تعلیمی اداروں، سماجی روابط اور جدید ذرائعِ ابلاغ کے ذریعے ملکی سلامتی، قومی یکجہتی، اور وحدتِ امت کے مثبت شعور کو عام کرے۔ تاہم یہ ابلاغ علم، تحقیق، حکمت اور ذمہ داری پر مبنی ہونا چاہیے، کیونکہ غیر مصدقہ معلومات کی اشاعت بسا اوقات آگہی کے بجائے انتشار پیدا کرتی ہے۔

7. درگزر اور عفوو تحمل

ملکی سالمیت اور وحدتِ امت کے لیے فرد میں عفو، درگزر اور تحمل کا جذبہ پیدا ہونا ضروری ہے۔ معاشرے میں اختلافِ رائے، غلط فہمی یا کسی فرد کی نامناسب بات کو فوراً دشمنی اور تصادم میں تبدیل کر دینا اجتماعی وحدت کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید عفو و درگزر کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے:

"خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ"(3)

"درگزر کو اختیار کیجیے، نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کش رہیے"۔

رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل میں اس تعلیم کی عملی مثالیں ملتی ہیں۔ عبد اللہ بن اُبی بن سلول اور اس کے ساتھی منافقین نے متعدد مواقع پر مسلمانوں کو اذیت پہنچائی اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہر موقع پر فوری انتقامی کارروائی نہیں کی۔

(1) القرآن 125:16.

Al-Qur'an 16:125.

(2) البخاری، *الجامع الصحیح*، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، حديث 3461.

al-Bukhārī, *al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb Aḥādīth al-Anbiyā', Bāb Mā Dhukira 'an Banī Isrā'īl, ḥadīth 3461.

(3) القرآن 199:7.

Al-Qur'an 7:199.

عبد اللہ بن اُبی کے ایک نہایت اشتعال انگیز قول کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کی اجازت چاہی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا:

"دَعْهُ، لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ"

"اسے چھوڑ دو، کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں"۔[1]

اس نبوی اسلوب سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ ہر اختلاف کا حل تصادم اور ہر اشتعال انگیزی کا جواب اشتعال نہیں ہونا چاہیے۔ ایک ذمہ دار شہری کو جہاں قانون اور قومی سلامتی کا تقاضا ہو وہاں قانونی راستہ اختیار کرنا چاہیے، لیکن ذاتی رنجش، معمولی اختلاف، غلط فہمی یا اشتعال انگیزی کی صورت میں عفو و درگزر، تحمل اور اصلاح کو ترجیح دینی چاہیے۔

8. تحقیق پسند اور ذمہ دار شہری بننا

ملکی سلامتی اور وحدتِ امت کے لیے فرد کا ایک اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ حالات سے باخبر رہے اور کسی خبر، افواہ یا دعوے کو تحقیق کے بغیر قبول یا آگے منتقل نہ کرے۔ ذمہ دار شہری نہ صرف اپنے ارد گرد رونما ہونے والے حالات کا شعور رکھتا ہے بلکہ ان کے پس منظر، نتائج اور قومی مفاد پر ممکنہ اثرات کا بھی جائزہ لیتا ہے۔

قرآن مجید نے اجتماعی معاملات میں خبر کی تحقیق کا واضح اصول بیان فرمایا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ"[2]

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو، پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔"

یہ آیت عصرِ حاضر میں میڈیا اور سوشل میڈیا کی ذمہ داری کے حوالے سے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ آج ایک غیر مصدقہ خبر چند لمحوں میں ہزاروں افراد تک پہنچ سکتی ہے اور بعض اوقات معمولی افواہ بھی مذہبی، لسانی، سیاسی یا علاقائی کشیدگی کو جنم دے سکتی ہے۔ اس لیے ذمہ دار شہری کے لیے ضروری ہے کہ وہ خبر کے ماخذ، صحت اور پس منظر کی تحقیق کرے۔ اپنے معاشرے میں نفرت انگیزی، انتہا پسندی، افواہوں، جھوٹی خبروں، اشتعال انگیز مواد اور ایسے رویوں کے بارے میں حساس رہے جو قومی وحدت اور ملکی سلامتی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ"[3]

"آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کرتا پھرے۔"

---

(1) البخاری، *الجامع الصحیح*، کتاب المناقب، باب ما ينهى من دعوى الجاهلية، حديث 3518.
al-Bukhārī, *al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Manāqib, Bāb Mā Yunhā min Daʿwā al-Jāhiliyyah, ḥadīth 3518.

(2) القرآن49:6.
Al-Qur'an 6:49.

(3) القشیری، صحیح مسلم، المقدمة، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع، حديث 5.
Al-Qushayrī, *Ṣaḥīḥ Muslim*, al-Muqaddimah, Bāb al-Nahy ʿan al-Ḥadīth bi-kulli mā Samiʿa, ḥadīth 5.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

یہ حدیث آج کے ڈیجیٹل اور سوشل میڈیا دور میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ کسی خبر کو صرف اس لیے آگے بڑھا دینا کہ وہ ہمیں موصول ہوئی ہے، ایک غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل ہے۔ ذمہ دار شہری خبر کو آگے بڑھانے سے پہلے اس کی صحت کی تحقیق کرتا ہے۔

9. ملکی مفاد کو ذاتی، گروہی، لسانی، علاقائی اور سیاسی مفاد پر ترجیح دینا

ملکی سالمیت کا ایک بنیادی تقاضا یہ ہے کہ فرد اپنے ذاتی مفادات اور گروہی وابستگیوں سے بلند ہو کر اجتماعی مفاد کو ترجیح دے۔ اسلام فرد کو اپنی ذات، خاندان اور گروہ کی وابستگیوں سے انکار نہیں سکھاتا، بلکہ ان وابستگیوں کو عدل اور اجتماعی خیر کے تابع رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر لسانی، علاقائی، سیاسی یا جماعتی وابستگی قومی مفاد پر غالب آ جائے تو معاشرے میں تعصب، تقسیم اور باہمی کشمکش پیدا ہو سکتی ہے، جو بالآخر ملکی وحدت کو کمزور کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت قائم کر کے مختلف سماجی و قبائلی شناختوں کو ایک وسیع تر اجتماعی وحدت میں تبدیل کیا۔ قرآن مجید نے اس اجتماعی وحدت کی بنیاد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔" (1)

"اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔"

اس آیت کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ مشترک اصولوں اور اجتماعی خیر کی بنیاد پر اتحاد قائم رکھا جائے۔ قومی سطح پر اس کا تقاضا یہ ہے کہ فرد اپنی سیاسی، لسانی، علاقائی یا جماعتی وابستگی کو قومی وحدت کے تابع رکھے۔

10. آئین و قانون کی پابندی

ملکی سالمیت کے لیے ضروری ہے کہ فرد آئین، قانون اور ریاست کے جائز نظم و ضبط کی پابندی کرے۔ کسی بھی ریاست کا استحکام صرف مضبوط اداروں سے نہیں بلکہ ایسے ذمہ دار شہریوں سے وابستہ ہوتا ہے جو اپنے حقوق کے ساتھ فرائض سے بھی آگاہ ہوں اور قانون کو ذاتی، سیاسی، لسانی یا گروہی مفاد کے تابع نہ بنائیں۔ قانون شکنی، بدعنوانی، سرکاری املاک کو نقصان پہنچانا اور اجتماعی نظم کو درہم برہم کرنا ریاستی استحکام کو متاثر کرتا ہے۔ اسلام میں اجتماعی نظم اور صاحبانِ امر کی اطاعت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ" (2)

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحبانِ امر کی"۔

اس آیت میں أُولِي الْأَمْرِ کی اطاعت کا حکم ریاستی نظم و نسق اور اجتماعی معاملات میں قانونی و انتظامی نظم کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قانون کے سامنے کسی بھی قسم کے امتیاز کی سختی سے نفی فرمائی۔ ایک بااثر خاندان کی عورت کے چوری کے جرم میں سفارش کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(1) القرآن3:103.

Al-Qur'an 3:103.

(2) القرآن4:59.

Al-Qur'an 4:59.

"وَايْمُ اللَّهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا" (1)

"اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا"۔

اس حدیث کا بنیادی سبق قانون کی بالادستی اور عدمِ امتیاز ہے۔ ملکی سالمیت کے لیے بھی ضروری ہے کہ شہری قانون کو صرف کمزور افراد کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے بھی لازم سمجھے۔ سفارش، رشوت، یا ذاتی تعلقات کے ذریعے قانون سے بچنے کی کوشش ریاستی نظم کو کمزور کرتی ہے۔ قانون کی پابندی محض ایک قانونی ذمہ داری نہیں بلکہ قومی اخلاق کا حصہ بن جاتی ہے۔ جب شہری قانون کو ذاتی مفاد سے بالاتر سمجھتے ہیں تو معاشرے میں استحکام پیدا ہوتا ہے، جو ملکی سالمیت کی بنیادی شرط ہے۔

خلاصہ بحث:

مندرجہ بالہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ ریاست کی سلامتی اور قومی وحدت صرف ریاستی اداروں ہی کی ذمہ داری نہیں بلکہ ہر شہری کی انفرادی ذمہ داری بھی ہے۔ ایک ذمہ دار فرد کو چاہیے کہ وہ ملکی سلامتی اور وحدتِ امت کے تقاضوں سے آگاہ ہو، اس کا ضروری علم حاصل کرے اور اس آگہی کو دوسروں تک منتقل کرے۔ اسی طرح مثبت اور بلند سوچ، اختلافِ رائے کو برداشت کرنے کی قوت، عفو و درگزر، حالات سے باخبر رہنے اور افواہوں و غیر مصدقہ اطلاعات سے احتیاط ملکی سلامتی اور وحدتِ امت میں فرد کے کردار کا لازمی حصہ ہیں۔

یہ تحقیقی مضمون اس پر بھی زور دیتا ہے کہ فرد کو ہر قسم کے ذاتی، لسانی، علاقائی، مسلکی اور سیاسی مفادات پر ملکی و اجتماعی مفاد کو ترجیح دینی چاہیے۔ اسلام عصبیت، ناانصافی اور گروہی تعصب کے بجائے عدل، اخوت اور اجتماعی خیر کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی طرح آئین و قانون کی پابندی، قانون کی بالادستی، قومی املاک و وسائل کی حفاظت، بدعنوانی سے اجتناب، تعمیری اختلاف، شہری حقوق کا احترام اور قومی بحرانوں میں ذمہ دارانہ تعاون بھی ملکی سالمیت کے اہم تقاضے ہیں۔

مضبوط ریاست اور وحدتِ امت کی بنیاد مضبوط اور ذمہ دار شہری پر قائم ہوتی ہے۔ جب فرد قومی مفاد اور وحدتِ اجتماعی کو اپنی عملی زندگی کا حصہ بناتا ہے تو وہ نہ صرف ملکی سلامتی کے تحفظ میں کردار ادا کرتا ہے بلکہ ایک پُر امن، متحد اور مستحکم امت کی تشکیل میں بھی مؤثر حصہ ڈالتا ہے۔

تجاویز و سفارشات:

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں ملکی سالمیت کے استحکام اور وحدتِ امت کے فروغ کے لیے درج ذیل عملی اقدامات ناگزیر ہیں:

1. اسکولوں، کالجوں اور جامعات کے نصاب میں حب الوطنی، رواداری، اخلاقی اقدار اور امتِ مسلمہ کی فکری وحدت کے مضامین کو شامل کیا جائے تا کہ نئی نسل ابتدا ہی سے ان اعلیٰ اقدار سے مانوس ہو سکے۔
2. معاشرے میں فکری، مسلکی اور سیاسی اختلافات کو محاذ آرائی میں تبدیل ہونے سے روکنے کے لیے علمی و تحقیقی مکالمے کے کلچر کو فروغ دیا جائے، جہاں دلائل کی بنیاد پر بات کرنے کا رواج ہو۔
3. ذرائع ابلاغ اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر لسانی، علاقائی، مسلکی اور گروہی تعصبات کو ہوا دینے والے مواد کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اس کے برعکس ملکی یکجہتی اور بین المسلمین بھائی چارے کو اجاگر کرنے والے پیغامات کو عام کیا جائے۔
4. مساجد کے خطبات اور علمی مجالس کے ذریعے عوام میں قانون کی پاسداری، برداشت، اور باہمی احترام کا شعور بیدار کیا جائے تا کہ معاشرتی ہم آہنگی کو تقویت ملے۔
5. ریاست کو چاہیے کہ وہ بلاامتیاز قانون کی عملداری اور انصاف کے قیام کو یقینی بنائے، تا کہ ہر شہری کے دل میں یہ یقین پختہ ہو کہ ملکی سالمیت ہی اس کے ذاتی و اجتماعی حقوق کا سب سے بڑا محافظ ہے۔

---

(1) البخاری، *الجامع الصحیح*، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ما ذکر عن بني إسرائیل، حدیث 3475.
al-Bukhārī, *al-Jāmi‘ al-Ṣaḥī,* Kitāb Aḥādīth al-Anbiyā', Bāb Mā Dhukira ‘an Banī Isrā'īl, ḥadīth 3475.

6. نوجوان نسل کو فرسٹریشن، منفی پروپیگنڈا اور تخریبی سرگرمیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے انہیں ملکی تعمیر و ترقی، فلاحی کاموں اور تحقیقی میدانوں میں بھرپور مواقع فراہم کیے جائیں۔
7. معاشرے کی اصلاح کا آغاز ہر فرد اپنے ذاتی دائرہ کار سے کرے؛ اپنے اندر احساسِ ذمہ داری کو زندہ کرے اور اجتماعی مفاد کو ذاتی یا گروہی مفاد پر قربان کرنے کا مزاج بنائے۔